رجسٹرڈ نمبر ۹۲۲
ٹیلی فون نمبر ۲۹

تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲	یکم جون ۱۹۵۴ء	اڈیٹر قاضی عبدالغفار	۲۸ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ	نمبر ۳۵

قابلِ اعتراض اشتہار بازی

دواؤں کے قابلِ اعتراض اشتہاروں کے متعلق جو امتناعی قانون پارلیمنٹ نے منظور کیا ہے اس کا ایک قابلِ تحسین پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ہمارے ادب کی اُس گندگی کو بھی دور کرے گا جو دواؤں اور جنسی امراض کے اشتہاروں کے ذریعے سے پھیلائی جاتی ہے۔

ان **صفحات** پر ہم بار بار اردو اخباروں اور رسالوں کو بد اخلاقی کے اس بیوپار پر توجہ دلاتے رہے ہیں، ہم کئی دفعہ بعض مذہبی رسالوں کا حوالہ دیکر بتا چکے ہیں کہ مذہبی اور اخلاقی مضامین کے پہلو بہ پہلو کس طرح یہ گندے اشتہارات ہمارے ادب کو گندہ کرتے رہتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں وزیرِ صحت نے یہ امتناعی قانون منظور کرکے ہمارے ادب کو بھی ایک بہت بڑی گندگی سے پاک کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن اشتہاروں پر امتناع عاید کیا گیا ہے۔ انھیں صراحت کے ساتھ جنسی امراض، کی دواؤں کے اشتہارات بھی شامل ہیں۔ خصوصاً ایسی "قوت" کی دواؤں کے اشتہارات جو مردوں کی جنسی قوت پر اضافہ کرنے والی یا ان کے جنسی امراض کو رفع کرنے والی بتائی جاتی ہیں۔

اس قانون کے خلاف ورزی کی سزائیں بھی کافی سخت مقرر کی گئی ہیں۔ مثلاً پہلی دفعہ ۶ ماہ قید اور جرمانہ، دوسری خطا پر ایک سال کی قید اور جرمانہ اور ایسے اخباروں اور رسالوں کی ضبطی وغیرہ۔ اگر ان سزاؤں سے سخت تر سزائیں بھی موزوں کی جاتیں تو بیجا اعتراض نہ ہوتا۔ ان گندے اشتہاروں سے جن کو صرف چند پیسے کمانے کے لئے اچھے اچھے اخبار اور رسالے اپنے صفحات پر جگہ دیکر ہمارے ادب کو بدنام کرتے ہیں۔ ہماری صحافت کو پاک کر دینا حکومت ہند کا ایک ایسا ضروری اقدام ہے جس کا اردو ادب کے تمام دوستوں کو شکر گزار اور احسان مند ہونا چاہیے

اردو کانفرنس حیدرآباد

اردو کانفرنس حیدرآباد میں شریک ہونے کے بعد انجمن کے جنرل سکریٹری قاضی عبدالغفار صاحب نے حیدرآباد کے مقامی اخباروں کو اپنا حسب ذیل بیان دیا۔

"حیدرآباد کی اردو کانفرنس کی شاندار کامیابی پر اگر مجھے حیرت ہوتی تو یہ بات بہت ہی عجیب ہوتی حیرت، اگر ہوتی تو کسی ایسے شخص کو ہوتی جو حیدرآباد کی تہذیبی روایات کے پس منظر سے ناواقف ہوتا۔ لیکن ۱۱ سال حیدرآباد کی اجتماعی زندگی میں شریک رہ کر میرا تو یہ حیدرآباد بہت جانا پہچانا حیدرآباد ہے۔

اردو اور ہندی کے مسئلے پر شمالی ہندوستان جو فضا فرقہ وارانہ تعصبات اور کم نظری نے پیدا کر دی ہے وہ ابھی حیدرآباد میں خارج از قیاس ہے۔ اور میرے لئے جو چیز خارج از قیاس ہے وہ شمالی ہندوستان اور خصوصاً اترپردیش میں ہندی اور اردو کے اداروں کا وہ میل جول ہے جو میں نے حیدرآباد میں دیکھا۔ اترپردیش میں تو یہ بات آن ورتیا بھی نہیں آسکتی کہ ہندی کے پریمی اور اردو اور دوسری علاقائی زبانوں کے حامی کسی ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہو سکیں جس طرح یہاں اردو کانفرنس کے پلیٹ فارم پر میں نے اُن کا سنگم دیکھا حیدرآباد کی فطرت اور تہذیب سے ناواقف لوگوں کو تو شاید یہ منظر دیکھ کر کچھ حیرت ہو۔ لیکن میں تو تین دن تک جب کانفرنس میں جا کر بیٹھا تو صرف یہی سوچا رہا کہ زبانوں اور تہذیبوں کے اس اشتراک اور سنگم کو کیونکر آئندہ بھی محفوظ اور مضبوط رکھا جا سکتا ہے۔ حیدرآباد کی یہ ایک بہت بڑی دولت ہے۔ جس کی بربادی میں انسانیت کا زیاں ہوگا۔

پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد میں جو انتشار پیدا ہوا اور اکثریت کے بعض حلقوں میں فرقہ پرستی کا جو شرمناک اُبال آیا وہ اُس نے ایک حد تک حیدرآباد کی قدیم مشترکہ قومیت کے سکون و اطمینان کو برباد کر ڈالا۔ لیکن جس قدر زمانہ گزرتا جاتا ہے میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ رفتہ رفتہ اس خشک دریا میں پھر پانی آ رہا ہے اور حیدرآباد کی فطرت اپنی اصلیت کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی اس کی جو بنیادیں ۱۹۴۸ء میں ہل گئیں تھیں وہ ہل تو گئیں لیکن مسمار نہیں ہوئیں۔

ایک ایسے شخص کو جو دو سال تک اترپردیش میں اردو دشمنوں کے مقابلے میں زبان کے محاذ پر مصروف رہ کر حیدرآباد آیا ہو۔ یہاں کا موسم اب بھی وہاں کے موسم سے بہت مختلف محسوس ہوتا ہے یہ بھی سچ ہے کہ اردو زبان کے متعلق حیدرآباد میں حکومت اور ہندی والوں کی پالیسی ایسی نہیں جیسی کہ اترپردیش کی ہے بلکہ میں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ حیدرآباد، اترپردیش کے لئے ایک بصیرت افروز مثال ہے برخلاف اترپردیش کے حیدرآباد اب بھی اپنی قدیم تہذیبی روایات کے پس منظر میں لسانی اختلافات کے متعلق بہ آسانی سمجھوتے کر سکتا ہے۔ ..... اور سمجھوتا کرنا ہی کیا ہے سوائے اس کے کہ ہم اگر اپنے ملک کی جمہوریت کو تسلیم کرتے ہیں تو ہندی زبان کے سرکاری زبان ہونے کے متعلق جمہوری فیصلے کو تسلیم کر کے اس بات کو بھی تسلیم کر لیں کہ جس دستور نے ہندی کو سرکاری زبان بنایا اُسی نے علاقائی زبانوں کو بھی اُن کے جائز حقوق دیئے ہیں اور یہ حقوق ہر علاقائی زبان کو خواہ وہ اردو ہو، تلنگی ہو، مرہٹی ہو یا بنگالی یکساں حاصل ہیں۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ حیدرآباد میں ہندی کے لئے جو لوگ کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے انصاف، حق اور رواداری کے اس صحیح نقطۂ نظر کو اختیار کیا ہے۔ اسی کی عملی شکل یہ اردو کانفرنس تھی جس کے پلیٹ فارم پر علاقائی زبان کے نمائندوں نے اردو زبان کے حقوق کی تائید کی۔ وزیر تعلیم اور ناظم تعلیمات نے جو تقریریں اس پلیٹ فارم پر کیں، اُن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مقامی حکومت بھی فراخدلی کے ساتھ زبان کے مسئلے پر سوچتی ہے اور اس کی بصیرت اور حقائق پسندی پر ابھی فرقہ دارانہ تعصبات پردہ نہیں ڈال سکے ہیں۔ لہٰذا میرے لئے اور میرے شبہ کا اظہار کے لئے جو بدقسمتی سے اترپردیش میں زبان کا ایک محاذ قائم کرنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ یہ ایک نوید ہے کہ جنوبی ہندوستان میں اردو زبان کا یہ مرکز ہندی اور اردو کے رقابت کے فتنے سے محفوظ ہے۔

یہ بھی میں دیکھ رہا ہوں کہ حکومت کے شعبوں میں اردو کو انگریزی پر ترجیح دینے کا مطالبہ جن لوگوں کی طرف سے ہو رہا ہے ان میں زیادہ تر غیر مسلم اہل الرائے آگے آگے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ حکومت پر ان کی آواز اثر کرے گی اور حکومت کسی ایسے غلط فیصلے پر اصرار نہ کرے گی جس کو اردو ہندی اور علاقائی زبانوں کے عوام کی پوری تائید حاصل نہ ہو۔

کانفرنس میں جو قراردادیں منظور کی گئیں وہ بھی اس کانفرنس کے عام اور معتدل مزاج کا عکس ہیں۔ ان میں اول تو ضرورت سے زیادہ جوش و خروش اور شدت کا اظہار نہیں کیا گیا اور اسی کے ساتھ جو معقول مطالبات پیش کئے گئے وہ سنجیدگی اور معقولیت کے ساتھ پیش کئے گئے۔ اس کانفرنس کی روئیداد کو پوری تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کو کچھ روشنی دینے کے لئے شائع کرنے کی ضرورت ہے جو شمالی ہندوستان میں اردو ہندی کے مسئلے کے متعلق اپنی تنگ نظری اور تنگ ظرفی کی وجہ سے خواہ مخواہ بہت سی الجھنوں میں الجھ گئے ہیں ——— ایک بات اور قابل ذکر ہے۔ میں نے اس کانفرنس کے پلیٹ فارم پر مختلف سیاسی خیال کے لوگوں کو یکجا اور ہم آواز پایا۔ خصوصاً بائیں بازو کے نوجوانوں کو میں نے جس مخلصانہ جذبہ کے ساتھ کام کرتے دیکھا وہ حیدرآباد میں لسانی تحریک کے لئے ایک فال نیک ہے اس موقع پر مجھے ایک اور بات بھی جس میں ذرا سی تلخی ہے صاف کہہ دینی چاہیئے ادب اور آرٹ کے محاذ پر سیاسی خیالات کے اعتبار سے کوئی تقسیم کبھی مفید نہیں ہو سکتی۔ کانفرنس میں ادبی موضوعات پر بعض تقریریں ایسی ہوئیں جن سے یہ تکلیف دہ حقیقت محسوس ہوتی تھی کہ ہمارے بعض قدیم ادیبوں اور ادب کے رہنماؤں میں جو اپنے زمانے میں صف اول کے ادیب سمجھے جاتے تھے اپنی قدیم بلندی اور عظمت کا ایک بے محل احساس اب تک باقی ہے اور ادب کی نئی تحریکوں کا ذکر وہ اکثر تحقیر آمیز لہجے میں کرتے ہیں وہ زندگی کی اس حقیقت سے مانوس نہیں ہوتے کہ کوئی صف اول

ہمیشہ صف اول نہیں رہتی ——— ارتقا کی رفتار اب اس قدر تیز ہے کہ آج جو لوگ صف اول میں ہیں وہ کل دوسری صف میں آجائیں گے اور ان کے آگے ایک نئی صف بن جائے گی ادب اور فن میں بڑائی کی سند عمر نہیں، بلکہ قوت عمل اور قربانی اور اپنے کو زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔ جو قدیم ادیب زندگی کی تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکتے یا جن کے دریاؤں کا پانی بتقاضائے عمر خشک ہو چکا ہے۔ ان کا فرض یہ ہے کہ وہ ادیبوں کی نئی نسل کو آگے بڑھنے میں مدد کریں نہ یہ کہ اپنے ادب کی تقدیم اور بعض اوقات ازکار رفتہ قدروں پر زور دیں۔ ایسا کرنا رجعت پسندی ہے۔ یہ بزرگ جس قدر جلد اس بات کو سمجھ لیں بہتر ہے کہ وہ نوجوان نسل کے دوست اور ساتھی بنکر اپنے تجربوں سے اس کی مدد تو کر سکتے ہیں، لیکن انقلابی تحریکوں کی تیز رفتاری میں اپنی قیادت کی دیواریں قائم نہیں رکھ سکتے۔ ایک بزرگ نے جدید ادب کی تحریک پر تنقید کرتے ہوئے ایسی باتیں کہیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کی اپنی ادبی قیادت کا تصور ان نئی تحریکوں سے بالکل بیگانہ ہے۔

نئے ادیبوں کے فنی نقائص پر بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ لیکن قدیم قیادت فطرت انسانی کے اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی کہ نئی نسلوں کو ارتقا کے عمل میں غلطیاں کرنے کی آزادی بھی حاصل ہونی چاہئے۔ نئے ادیب اپنی غلطیوں سے خود جس قدر سیکھ سکتے ہیں وہ پند پیر دانا سے نہیں سیکھ سکتے۔ قدیم سکوں کی قیمت بازار میں ہمیشہ کم ہوتی رہتی ہے لیکن اس شخص کی دانش مندی پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ جو اس کے خلاف رائے رکھتا ہو۔

لسانی مسئلے کے متعلق "بائیں بازو" کے نوعمر مفکرین نے جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے وہ ہمارے ملک کے اس مسئلے کو سلجھانے میں یقیناً موثر ثابت ہوگا۔ میں ملک کی لسانی تقسیم کا قائل نہیں ہوں، لیکن میرا عقیدہ یہ ہے کہ ملک کے اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے تمام علاقائی زبانوں کی مساوی ترقی بہت ضروری ہے۔ یہ ممکن ہے کہ سرکاری زبان کا سامراج علاقائی زبانوں کو دبا کر یا راستے سے ہٹا کر آگے بڑھ سکے۔ ہندی ہو یا اردو یا مرہٹی یا تلگو دوسری زبانوں پر تفوق حاصل کر کے۔ کسی زبان کا جھنڈا گاڑنے کا تخیل ایک فتنہ انگیز اور خطرناک جذبہ ہے جو ہمارے ملک کی آزادی اور جمہوریت کی بنیادیں ہلا دے گا۔

حیدرآباد کل حیدرآباد اردو کانفرنس میں شریک ہونے والے ادیب اور شعرا کا ہندی پرچار سبھا کی جانب سے گرمجوشانہ خیر مقدم کیا گیا۔ پنڈت کشن پرشاد کول۔ قاضی عبدالغفار۔ مجروح سلطانپوری، کیفی اعظمی، مس سحاب قزلباش، جگن ناتھ آزاد، سہیل عظیم آبادی۔ وشوامتر عادل نے اس خصوصی تقریب میں شرکت کی جو ہندی بھون میں منعقد ہوئی تھی۔ مسٹر سری نواس لاہوٹی معتمد نشر و اشاعت سبھا نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

صدر ہندی پرچار سبھا مسٹر ایل۔ این گپتا نے ادیب و شعرا کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے کہا کہ تخلیقی ادب پر عقیدہ رکھنے والوں کو کسی ادیب سے شکایت نہیں ہوتی وہ اپنے طریقوں سے ادب کی ترقی کا کام انجام دیتے ہیں جو لوگ ادب کی تخلیق کرتے ہیں وہ قابل عزت ہوتے ہیں۔ ہمارے ادیب صرف ادب کے لئے وقف نہیں ہیں بلکہ وہ عوامی تحریکوں میں دوسروں کے شانہ بشانہ حصہ لیتے ہیں۔ ہندی پرچار سبھا اپنے اصولوں کے ذریعہ ہندی کے پرچار میں مصروف ہے۔ مسٹر گپتا نے کہا کہ کسی بھی زبان کے ادیب اور شعرا کی عزت اپنی زبان کی خدمت کے مترادف ہے۔ ہندی اور اردو کے ادیب اور شعرا تو پھر سب سے قریب ہیں اور ضرورت ان کے اور قریب ہونے کی ہے۔ زبان و ادب کے میدان میں سب ایک ہیں۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ ملک کے ادیب اور مصنفوں کو ایک ہو کر ملک کے ان مسائل کو حل کرنا چاہئے جو قلم کے ذریعے انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ مسٹر محمد مہدی نے مہمانوں کا فرداً فرداً حاضرین سے تعارف کرایا۔

پنڈت کشن پرشاد کول نے اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اہل حیدرآباد نے باہر سے آنے والے مہمانوں کے ساتھ جس محبت اور خلوص کا اظہار کیا ہے اس کا اثر ان کے دل پر تاحیات رہے گا۔ اردو کی حمایت کرکے ہندوستان میں ایک اور پاکستان بنانے کا الزام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے جس گھرانے میں جنم لیا ہے اس کی زبان اردو تھی۔ آنکھ کھولنے کے بعد سے وہ اردو ہی بولتے اور لکھتے آرہے ہیں۔ ہندی برائے نام انھوں نے سیکھی ہے۔ ان کی عمر مسلمان دوستوں کی صحبت میں گزری ہے۔ وہ اپنے ماضی کی یاد کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتے۔ وہ تہذیب کے اعتبار سے خالص ہندوستانی ہیں۔

پنڈت کول نے کہا کہ ممکن ہے اردو سے انھیں جو محبت ہے وہ ہندی سے کم ہو لیکن وہ ہندی سے غیریت نہیں برتتے۔

قاضی عبدالغفار معتمد انجمن ترقی اردو ہند نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرا خیال تھا کہ میں ہندی پریمیوں سے مل کر کچھ باتیں کروں گا اور سوچوں گا کہ کس طرح ہندی اردو کا کام مل جل کر یہاں کیا جائے میں انجمن ترقی اردو کا جنرل سکریٹری ہوں اور اس ادارے میں پہلی بار آیا ہوں۔ میں انجمن کی جانب سے یہ اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ ہندی اور اردو کے درمیان اگر کوئی دیوار حائل ہے تو ہم اسے توڑ کر دونوں کی ترقی میں کوشش کریں گے اور دونوں کی ترقی کا ایک مشترک راستہ یہی ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ حیدرآباد میں پہلی بار اس کام کی بنیاد رکھی گئی۔ اس مشترکہ تہذیب کی دولت صرف حیدرآباد

میں ہے اور کہیں نہیں اسے آپ حفاظت سے رکھئے کیونکہ ہند کی ترقی کا راز اسی میں مضمر ہے۔

پروفیسر احتشام حسین نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں جب بھی حیدرآباد آیا مجھے نئے حوصلے اور نئی امنگ کا احساس ہوا۔ اردو کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے کہ وہ پردیسیوں کی پیدا کردہ ہے اس میں ہند کی اچھی باتوں کا ذکر نہیں ان کا تعلق ایران سے ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس کا مطالعہ کئے بغیر آپ اس بات پر یقین نہ کریں۔ مسٹر سہیل عظیم آبادی نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندی اور اردو والوں کے درمیان یہاں جو دوستی اور خلوص ہے وہ اگر سارے ہندستان میں پیدا ہو جائے تو ہند بہت زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔

آخر میں صدر سبھا مسٹر ایل۔ این گپتا کی خواہش پر پاکستان کی شاعرہ سحاب قزلباش۔ کیفی اعظمی اور مجروح سلطانپوری نے اپنا کلام سنایا۔ مسٹر سری رام شرما معتمد پرچار سبھا نے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اردو ہندی کے ادیب اور شعرا کے ایسے اجتماعات کو ایک خوش آئند علامت بتایا۔

ہلکے ہلکے اشارے

——— کس قدر عجیب ہے یہ واقعہ، شیعہ کانفرنس کے پلیٹ فارم پر اردو کی حمایت میں کوئی قرارداد منظور نہ ہو سکی ——— ہو بھی نہ سکی! یہ کوئی مدح یا تبرح صحابہ کا معاملہ تو نہ تھا!!

——— کانفرنس کے صدر وزیر قانون سید علی ظہیر صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ اردو ضرور زندہ رہے گی، لیکن اگر اردو کو فرقہ پرستی کے پھیلانے کا ذریعہ بنایا گیا یا مسلمانوں اور ہندستانی عوام میں اس کے ذریعے ان خیالات کو زندہ رکھا گیا جو مسلم لیگ کی ایجیٹیشن کے زمانے میں تھے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے بہت سے حامیوں اور تعریف کرنے والوں کو ختم کر دے گی۔"

——— سوال یہ ہے کہ معزز وزیر قانون کو اس تنبیہ کے زبان پر لانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا اردو کے حقوق کے مطالبے میں انجمن ترقی اردو یا اس کے کارکنوں نے کہیں اور کبھی فرقہ پرستی کا پرچار کیا یا مسلم لیگی خیالات ظاہر کئے؟ ——— سید صاحب نے یہ اشارہ شاید اس لئے کرنا پسند فرمایا کہ وہ تعلی طور پر یہ کیسے فرماتے کہ اردو کی تحریک فرقہ پرستی کے جذبات سے بالاتر ہے۔ ——— ایسا کہتے تو ان کے اور دوسرے وزراء اور کانگریسی لیڈروں کے بیان میں تضاد پیدا ہوتا! اس لئے محترم وزیر صاحب اپنے ان شعر کار سے ہی چند فقرے جو اردو کا نام آتے ہی پاکستانی ذہنیت کا ذکر فرمایا کرتے ہیں اور بہ حیثیت ایک رائج الوقت کانگریسی کے اپنے دامن کو بھی بچا کر پاک و صاف دکھا دیا کہ اردو کی تحریک کو فرقہ پرستی سے دور رکھو! ——— گویا کہ اردو کی تحریک میں، دو سال کی جد و جہد کے بعد جو انجمن ترقی اردو نے کی فرقہ پرستی کا کوئی خدشہ باقی ہے!!

——— اللہ تعالیٰ ہمارے لیڈروں اور وزیروں کو ان خدشات سے محفوظ رکھے! آمین ثم آمین!!

——— گجرات یونیورسٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ اس یونیورسٹی میں ہندی کے بجائے گجراتی زبان تمام شعبوں میں ذریعہ تعلیم ہوگی۔

——— اس سے پہلے یہ فیصلہ ہوا تھا کہ ہندی یا گجراتی ذریعہ تعلیم ہوگی۔ لیکن اب ہندی کو بالکل ہی حذف کر دیا گیا۔

——— یونیورسٹی نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ آرٹس، کامرس اور سائنس کے پہلے سال اور زراعت کے شعبوں میں بھی ۱۹۶۲ء سے ذریعہ تعلیم انگریزی کے بجائے گجراتی ہوگی۔

——— مہاتما گاندھی کے اخبار ہریجن کے ایڈیٹر شری ڈیسائی نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ ہندی کو علاقائی زبانوں کے ساتھ مساوات کا درجہ نہیں دیا گیا بلکہ اس کو علاقائی زبانوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ یہ امر ہمارے دستور کی منشا کے خلاف ہے۔ انھوں نے شکایت کی کہ ذریعہ تعلیم کے متعلق حکومت بمبئی کی پالیسی بہت پست ہے اور اس نے جو یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر جگہ ذریعہ تعلیم ہندی ہو وہ غلط ہے۔ انھوں نے کانگریس کی مجلس عاملہ کے ایک ممتاز رکن کے حوالے سے بتایا کہ کانگریس کی تازہ قرارداد کا واضح منشا یہ ہے کہ ہر جگہ ذریعہ تعلیم وہاں کی علاقائی زبانیں ہوں۔

——— آخر میں انھوں نے کہا کہ "اگر تم ہندی زبان کو بطور ذریعہ تعلیم زبردستی ٹھونسنا چاہتے ہو تو تمھیں بزور شمشیر ایسا کرنا ہوگا۔ بغیر اس کے تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

——— اگر کوئی اردو والا اتنی سخت بات کہتا تو کیا ہوتا! جلا وطن کر کے پاکستان بھیج دیا جاتا!!

——— میرٹھ کے نوچندی کے میلے میں جو مشاعرہ ہر سال ہوا کرتا ہے، اس کی جو گت امسال بنی، وہ بہت دلچسپ ہے۔ ایک معاصر نے اس ہنگامے کی بہت دلچسپ تفصیلات پیش کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:

——— اگر نوچندی جو شمالی ہند کی ایک بہترین اور مشہور نمائش ہے اپنی چند در چند ناکامیوں کے ساتھ ختم ہو چکی ہے اس کی اچھائی برائی کا اظہار اب بعد از وقت ہے لیکن نوچندی کے مشاعرے کی ناکامی ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس پر روشنی ڈالے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ اس لئے کہ فرقہ پرستوں کی من مانی اور نوچندی کی

کی معنی خیز خاموشی، لاپروائی اور بیرونی شعرا کی بے عزتی ایسی باتیں ہیں جنہیں کسی وقت بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور جن کے باعث میرٹھ کا ہر شریف ہندو مسلمان دل برداشتہ ہے۔

امسال فرقہ پرستوں نے مشاعرے کو اپنی بدعنوانیوں کی آڑ بنا کر فساد کی آگ بھڑکانے میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی۔ نتیجے میں یہ مشاعرہ ناکامی کے حادثہ سے بُری طرح دوچار ہوا۔ جہاں تک فرقہ پرستوں کا تعلق ہے یہ بات تو آئینے کی طرح صاف اور روشن ہے کہ اس مشاعرے کے خلاف پیش پیش ہونے والے تمام تر فرقہ پرست ہی ہیں مگر یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ہماری نگاہ میں یہ ایک منظم گھنی سازش تھی جس میں ارکان نوچندی کمیٹی کا ہاتھ بھی نمایاں نظر آتا ہے اور ذیل کے واقعات ہمارے اس قول کی پوری پوری تصدیق کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس مشاعرے کو تباہ کرنے والے محض پندرہ سولہ نوجوان تھے یا کوئی اور قوت اس پردۂ زنگاری میں کارفرما تھی۔

——— مشاعرہ سالہا سال سے نوچندی کی مخصوص تقریبات میں ایک خاص درجہ رکھتا ہے۔ جسے ہر بورڈ اس قدیم روایات کے ساتھ نہایت خوش اسلوبی سے کرتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ اس سال نمائش کا انتظام میونسپل بورڈ کے ہاتھ میں تھا۔ گو حالیہ انتخابات کے بعد اس مرتبہ میونسپل بورڈ کی جو پارٹی برسر اقتدار آئی ہے وہ "انڈین نیشنل کانگریس" کے فرزندوں اور مہاتما جی کے قاتلوں یعنی جن سنگھیوں، مہاسبھائیوں اور پرجا پارٹیوں کے اشتراک عمل کا ایک پُر فریب سنگم ہے اور اس سنگم کا تمام تر جوڑ بھی نوچندی کی مجلس منتظمہ تھی۔

...... اس سلسلے میں کنوینر صاحب کا کردار بھی قابل توجہ ہے مشاعرے کے نام پر جو تلخی پوری طرح فضا میں بکھر دی گئی تھی۔ اس کے پیش نظر جب کچھ صائب الرائے حضرات نے کنوینر صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ایک خط کے ذریعے چیرمین میونسپل بورڈ سے دریافت کریں کہ موجودہ صورت میں آپ نے مشاعرے کے متعلق کوئی قابل اطمینان انتظام کیا یا نہیں۔ اور اگر کیا ہے تو مجھے اس سے مطلع فرمایا جائے تاکہ میں پوری طرح اسے کامیاب بنانے کی جد و جہد کروں یا اگر آپ اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تو کنوینر شپ سے مجھے مستعفی سمجھا جائے ——— مگر کنوینر صاحب نے نہ صرف اس رائے کو قابل التفات نہ سمجھا بلکہ اس کے برعکس اسی گروپ سے جو شب و روز مشاعرے کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہا تھا بغیر کسی شرط کے یہ معاہدہ کیا کہ ہم مشاعرہ کو کوئی سمیلن میں تبدیل کئے دیتے ہیں۔ جس میں شاعر اور کوی دونوں شریک ہو سکیں۔ چنانچہ یہ معاہدہ باقاعدہ تحریری صورت میں ترتیب پایا اور اس پر کوی سمیلن اور مشاعرہ کے دونوں کنوینران نے دستخط ثبت کرکے ایک نے اپنی چالاکی اور دوسرے نے اپنی بزدلی کا نہایت شاندار طریقے پر اعلان کیا اور جب اس معاہدے پر لوگوں میں زیادہ چہ میگوئیاں ہوئیں تو آپ نے دوسری چالاکی یہ فرمائی کہ ایک پمفلٹ کے ذریعے اس مصالحت کا اعلان بھی فرمایا کہ یہ افواہ غلط ہے کہ مشاعرہ کوی سمیلن میں تبدیل ہو گیا ہے۔ مشاعرہ بالکل سابقہ روایات کے تحت ہوگا۔ اس لئے صاحبان ذوق زیادہ سے زیادہ شرکت فرمائیں۔ یہی نہیں بلکہ ایک ماہ قبل کنوینر شپ کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے باوجود مقامی شعرائے کرام کو بھی صرف دو تین دن پہلے دعوتی کارڈ بھیجے گئے۔

——— اس لئے ان تمام کڑیوں کے جوڑنے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یا تو کنوینر صاحب خود اس مشاعرے کو ناکام بنانے کی سازش میں شریک تھے یا ان کے سر پر کنوینر شپ کا زریں تاج رکھ کر نوچندی کمیٹی نے اُن کی وفاداری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کامیاب کوشش کی جسے وہ کنوینر بننے کی خوشی میں سمجھنے سے قاصر رہے۔

——— بہرصورت یکم اپریل کو دربار ہال میں مشاعرہ کا پروگرام ہوا جس کا آغاز ہندو دھرم کے مطابق منتروں سے فرمایا گیا۔ یہاں یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیئے کہ میونسپل بورڈ نوچندی کمیٹی کے چیرمین جناب رام کرپال سنگھ صاحب نہ صرف ایک پرانے کانگریسی ہیں بلکہ پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہیں ——— مشاعرہ میں آئے ہوئے بیرونی شعرا میں جناب بسمل شاہجہاں پوری۔ جناب آنند موہن گلزار زتشی جناب دل لکھنوی۔ جناب ہریک فیروزپوری جناب کوثر امروہوی جناب سلیم لکھنوی کا نام قابل ذکر ہے۔ شاعروں میں سب کے پہلے جناب سلیم لکھنوی کو بلایا گیا۔ ابھی آپ پہلا مصرع ہی پڑھنے پائے تھے کہ یک وقت بہت سی آوازیں بلند ہوئیں "ہم اردو کی شاعری نہیں سنیں گے" "پاکستانی زبان مردہ باد" "شاعروں کو نکال دو" اس پر کنوینر صاحب نے اعلان کیا کہ آپ لوگ خاموشی سے بیٹھیں۔ ان کے بعد بڑے بڑے کوی بھی یہاں موجود ہیں مگر آپ کی کوئی بات نہیں سنی گئی اور نتیجے میں کنوینر صاحب کے ساتھ تسلیم صاحب کو بھی بیٹھ جانا پڑا۔ اس کے بعد دل صاحب اور بسمل صاحب کا بھی یہی حشر ہوا۔ اس پر جناب آنند موہن گلزار نے تقریر کے ذریعے مجمع کو روکنے کی کوشش کی جس پر انہیں بھی اسٹیج سے پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی گئی اور یہ مشاعرہ صرف آدھ گھنٹے میں غنڈہ گردی کی نذر ہو گیا۔

——— یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشاعرے کے اس ہنگامہ کو روکنے کی پولیس اور حکام نے کوئی کوشش نہیں کی ——— اور وہ کیوں کرتے؟

——— معاصر موصوف کو بڑی شکایت یہ ہے کہ کانگریسی نیتا اور ضلع کے حکام نے مشاعرے میں امن قائم رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ شکایت صحیح ہو یا غلط، لیکن اس مفسدہ سے جو سبق ہمیں حاصل کرنا چاہیے وہ تو صرف یہ ہے کہ اب ہندی کے فرقہ پرستوں کا نزلہ

مشاعروں پر گرنے والا ہے۔ یہی ایک پہلو ایسا تھا جس میں ابھی تک فسادات کی تخم ریزی نہ ہو سکی تھی، سو اتر پردیش میں چشمِ بددور یہ کام بھی شروع ہو گیا!!

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں!

لکھنؤ ۲۰ اپریل۔ اردو اس صوبے کی زبان عرصے تک رہی ہے اور میں جانتا ہوں کہ یہاں بہت سے اردو جاننے والے رہتے ہیں، اس لئے حکومت اس سوال پر غور کر رہی ہے کہ جن گاؤں سبھاؤں میں اردو ہی جاننے والے ہوں وہاں کارروائی وغیرہ اردو میں ہو۔“ یہ اظہارِ خیال وزیر لوکل سلف گورنمنٹ نے آج یو۔ پی اسمبلی میں پنچایت راج (ترمیمی) بل پر ہونے والے مباحثے کا جواب دیتے ہوئے کیا۔

جوابی تقریر کے دوران میں وزیر لوکل سلف گورنمنٹ نے پنچایت راج کے مسودۂ قانون کے متعلق ”زبان کی نزاع“ کو اٹھانا بالکل غیر متعلق بتاتے ہوئے کہا ”زبان کے جھگڑے کو اور موقعوں کے لئے اٹھا رکھا جائے“ یہ بات انھوں نے مولانا شاہد فاخری (کانگریس) اور مسٹر رام نرائن ترپاٹھی (ڈپٹی لیڈر مخالف پارٹی) کے جواب میں کہی تھی۔ ان دونوں ممبروں نے ترمیمی بل کی دفعہ ۹ کی ضمنی دفعہ ۵ (ب) کو جس میں گاؤں سبھا کے پردھان و صدر کے لئے دیوناگری رسم خط لکھنا اور پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ دستورِ ہند کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا تھا۔ مسٹر ترپاٹھی نے اپنی تقریر میں اعتراض کیا تھا کہ جب دستورِ ہند کے اعتبار سے ہر ان پڑھ اور جاہل آدمی پارلیمنٹ اور صوبائی مجالس قانون ساز کا ممبر ہو سکتا ہے۔ تو گاؤں سبھاؤں اور پنچایتوں کی ممبری کے لئے پڑھے لکھے ہونے کی شرط لگانا غلط ہے۔ اور یہ بھی غلط بات ہے کہ صرف دیوناگری رسم خط جاننا ممبری کے امیدوار کے لئے ضروری ہو، قرار دیا جائے۔ اگر خواندہ ہونا ہی ضروری ہے تو کسی بھی زبان کا جاننا اور لکھنا کافی ہونا چاہئے۔

مولانا شاہد فاخری (کانگریس) نے بھی اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ اگر کوئی دیوناگری رسم خط نہ جانتا ہو تو وہ گاؤں سبھاؤں کا ممبر بن کر ملک کی خدمت کرنے سے کیسے محروم کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا۔ فرض کیجئے ایک شخص بہت سی دوسری زبانیں اردو، عربی، انگریزی اور سنسکرت جانتا ہے۔ مگر دیوناگری رسم خط میں لکھ پڑھ نہیں سکتا ہے تو ملک کی خدمت کے لئے کیسے نااہل ہو جائے گا۔ انھوں نے کہا ”یہ نئی دفعہ جو ترمیمی بل میں بڑھائی گئی ہے۔ غالباً بغیر سوچے سمجھے بڑھائی گئی ہے۔ ورنہ دستورِ ہند کو دیکھتے ہوئے یہ کسی طرح مناسب نہ تھی اس لئے میں تجویز کرتا ہوں کہ دوبارہ غور و خوض کرنے کے لئے اس بل کو ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔“

مولانا فاخری نے کہا۔ ”مشکل یہ ہے کہ یہاں جن کے چہروں پر میری طرح کی داڑھیاں ہیں وہ اردو اور ہندی کے مسئلے پر زبان کھولتے ڈرتے ہیں۔ مگر مجھے اردو کے مسئلے کو اٹھاتے ہوئے کوئی جھجک اور شرم نہیں محسوس ہوتی۔ اس لئے کہ زیر بحث بل میں صرف دیوناگری کی واقفیت کی جو شرط رکھی گئی ہے اُسے میں اصولاً غلط سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک نہ یہ دستورِ ہند کا اصول ہے نہ حکومت کا اصول ہے اور نہ خود کانگریس کا اصول ہے۔“

وزیر لوکل سلف گورنمنٹ مسٹر گوتم نے دیوناگری کی شرط لگانے کا جواز پیش کرتے ہوئے بتایا کہ گاؤں سبھاؤں کی جو کارروائیاں لکھی جاتی ہیں ان پر پردھان کے دستخط ہوتے ہیں یا اس کا انگوٹھا لگتا ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب پردھان نے اس کارروائی کو سنا کہ جس کے نیچے اس کے دستخط تھے۔ پوچھا گیا کہ اس کارروائی پر آپ نے دستخط کئے تھے تو اس نے بتایا کہ دستخط تو اس نے کئے تھے۔ مگر اس کارروائی کی عبارت وہ نہیں پڑھ سکا تھا اور جو عبارت اسے سنائی گئی تھی وہ اس عبارت سے مختلف تھی۔ مسٹر گوتم نے کہا ”اس دشواری کو رفع کرنے کے لئے ہم نے دیوناگری رسم خط جاننے کی شرط لگائی مگر میں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ جن گاؤں سبھا میں صرف اردو جاننے والے ہی ہوں وہاں دیوناگری کے بجائے اردو رسم خط میں کارروائی لکھی جائے اور حکومت اس سوال پر غور بھی کر رہی ہے اور یہ جو مسٹر رام نرائن ترپاٹھی نے کہا ہے کہ کسی بھی زبان کا جاننے والا پردھان بنایا جائے تو اس کا مطلب یہ کہ گجراتی، پشتو یا اوریا میں کارروائی لکھنے کی اجازت بھی دی جائے۔ اس طرح ہمارے جو انسپکٹر سبھاؤں کا معائنہ کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں جب تک ساری زبانیں نہ جانتے ہوں اچھی طرح معائنہ نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے میں ترپاٹھی صاحب کے مشورے کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔“

”پنچایت راج“ اور اردو کا تعلق ہی کیا! لیکن عجیب بات ہے کہ جس زبان کا کوئی وجود اتر پردیش میں نہیں وہ ہر جگہ گھس جاتی ہے اور مولانا فاخری ہیں کہ کسی طرح خاموش ہی نہیں رہتے! کیا اتر پردیش کی صوبائی کانگریس کمیٹی اس قدر کمزور ہو گئی ہے کہ وہ مولانا کے خلاف تادیبی کارروائی نہیں کر سکتی؟

اکبر الٰہ آبادی نے تو یہ طنزاً اپنے متعلق کہا تھا کہ:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مولانا فاخر کے خلاف بھی رپٹ لکھوائی جائے:

کہ فاخر نام اردو لے رہے ہیں اس زمانے میں!!

خط و کتابت کرتے خریداری نمبر کا ضرور حوالہ دیجئے

انجمن کی خبریں

بستی

۲۰ر مئی [illegible] کو ۹ بجے صبح ضلع بستی کی اردو کانفرنس، انجمن ترقی اردو بستی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح جناب بشیشر دیال صاحب مختار نے کیا جو ضلع کے پرانے بزرگوں میں ہیں۔ اور صدارت جناب حیات اللہ انصاری ایڈیٹر قومی آواز نے فرمائی۔ ضلع کے ہر حصے اور ہر کونے سے نمائندوں نے شرکت کی شہر کے عوام کی بہت بڑی تعداد کے علاوہ ممتاز ہندو اور مسلمان کانفرنس میں شریک تھے اور اس کی کارروائی میں حصہ لے رہے تھے۔ کانفرنس میں شرکت کرنے والا ایک ایک آدمی پورے عزم کا اظہار کر رہا تھا کہ وہ گورنمنٹ کے احکام کے مطابق جولائی [illegible] سے اسکولوں میں اردو کو مادری زبان کے طور پر ذریعۂ تعلیم بنانے کے لئے کسی ممکن جد و جہد میں کمی اور کوتاہی نہ کرے گا۔ اور انجمن ترقی اردو سے ہر طرح تعاون کرے گا۔

کانفرنس میں، اتجویزیں پاس ہوئیں اور کام کرنے کا ایک مکمل نقشہ نمائندوں کے مشورے سے طے پا گیا۔ شام کو ۵ بجے حیات اللہ انصاری صاحب کے اردو قاعدے کا ایک بالکل ان پڑھ بچے پر تجربہ کیا گیا اور لوگوں کو حیرت ہوگئی جب پندرہ منٹ میں لڑکے نے پورا ایک جملہ از خود پڑھ دیا۔

کانفرنس میں حسب ذیل قراردادیں منظور کی گئیں:-

(۱) ضلع بستی کی اردو کانفرنس کا یہ اجلاس ضلع بستی کی تمام اردو داں پبلک کی توجہ اتر پردیش کی حکومت کے حالیہ اعلانات کی جانب مبذول کرتا ہے اور پبلک سے اپیل کرتا ہے کہ وہ سرکاری اسکولوں میں اردو تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنی آواز اٹھائے اور یکم جولائی [illegible] سے جب اسکول کھلیں تو درجہ اول اور دوم میں دس دس لڑکوں کی ٹولیاں بنا کر اس امر کا مطالبہ کریں کہ حکومت کے احکام کے مطابق ان کو اردو کے ذریعے تعلیم دی جائے۔ اور پبلک سے یہ بھی اپیل کرتا ہے کہ وہ انجمن ترقی اردو بستی سے ان تمام کارروائیوں میں پورا تعاون کرے جو وہ ان تمام احکام پر عمل درآمد کرانے کے لئے کرنے والی ہے۔

محرک:- قاضی محمد عدیل عباسی

موید:- مولانا محمود الحسن

(۲) ضلع بستی کی اردو کانفرنس کا یہ اجلاس پریسیڈنٹ ڈسٹرکٹ بورڈ بستی، پریسیڈنٹ میونسپل بورڈ بستی، جناب انسپکٹر صاحب مدارس ضلع بستی اور ڈپٹی انسپکٹر صاحب مدارس ضلع بستی سے استدعا کرتا ہے کہ جو احکام اردو کو ابتدائی درجوں میں ذریعۂ تعلیم بنانے اور ثانوی درجوں میں بطور سکنڈ فارم لے جانے کے متعلق حکومت اتر پردیش نے جاری کئے ہیں ان پر عمل درآمد کرنے کا معقول اور مضبوط انتظام کریں اور جو عمال گورنمنٹ کے احکام کے عمل درآمد میں خفیہ یا علانیہ کوئی رکاوٹ ڈالیں، ان کے خلاف سخت سے سخت تعزیری کارروائی کی جائے۔

محرک:- قاضی جلیل عباسی

موید:- محمد سلیمان آذرہی۔ ایم ایل اے

(۳) ضلع بستی کی یہ اردو کانفرنس حکومت اتر پردیش کے محکمۂ تعلیم کی پر زور توجہ اس جانب مبذول کراتی ہے کہ درجہ چھٹے سے [illegible] درجہ ۸ تک اردو کا جو سکنڈ فارم کورس مرتب ہوا ہے۔ اس میں [illegible] کتابیں رکھی گئی ہیں جو پہلے اس وقت رائج تھیں جب اردو بطور اصلی زبان ان درجوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو کو سکنڈ فارم کے طور پر لینا ناممکن سا ہو گیا ہے۔ یہ کانفرنس [illegible] اتر پردیش کے محکمۂ تعلیمات اور گورنمنٹ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اس خرابی کو رفع کرے اور سکنڈ فارم اردو کا آسان تر اور معقول کورس مرتب کرے

محرک:- فضل الرحمٰن وکیل

موید:- ملک حامد حسین وکیل

(۴) ضلع بستی کی یہ اردو کانفرنس حکومت اتر پردیش کی توجہ اس جانب مبذول کرتی ہے کہ اگرچہ کریکولم میں اردو کو بطور کورس جا بجا تسلیم کیا گیا ہے لیکن سلیبس میں ان درجوں میں اردو کی تعلیم کے لئے کتابیں درج نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ جو پرانی کتابیں پہلے پڑھائی جاتی تھیں ان کے چھاپنے کا کوئی بندوبست نہ ہونے سے یہ کتابیں بازار میں دستیاب نہیں ہوتی ہیں۔ یہ کانفرنس گورنمنٹ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ جلد سے جلد سلیبس میں کتابوں کے درج ہونے اور ان کو چھپوا کر بازار میں مہیا کرنے کا انتظام کرے تاکہ جو لڑکے اردو بطور اول یا دیگر زبان کے استعمال کرنا چاہتے ہیں وہ ایسا کر سکیں

محرک:- فضل الرحمٰن وکیل

موید:- ملک حامد حسین وکیل

(۵) ضلع بستی کی اردو کانفرنس کا یہ اجلاس انجمن ترقی اردو [illegible] علی گڑھ کی ان مساعی جمیلہ کا تہ دل سے اعتراف کرتا ہے جو اس نے [illegible] کو علاقائی زبان بنانے اور اس کو سرکاری طور پر تسلیم کرانے کے سلسلے میں کی ہیں اور اردو علاقائی زبان کمیٹی لکھنؤ کے کارکنان کو مبارکباد دیتا ہے کہ ان کی زبردست کوششوں سے قریب ۲۲ لاکھ دستخط [illegible] سلسلے میں انتہائی احتیاط اور جانفشانی سے مہیا ہو کر صدر جمہوریہ کی خدمت میں حسب آرٹیکل ۳۴۷ دستور ہند پیش ہوئے۔ اور [illegible] سے جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی [illegible]

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پر اپنے کلی اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔

محرک:۔ قاضی عدیل عباسی

موید شیخ منور حسین مختار

(۶) ضلع بستی کی اردو کانفرنس کا یہ اجلاس اس امر پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ اردو کنونشن لکھنؤ کے متفقہ مطالبے کے باوجود ابھی تک صوبہ اتر پردیش میں انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کی صوبائی شاخ قائم نہیں ہوئی اور جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر انجمن و دیگر ممبران مجلس عام سے پر زور استدعا کرتا ہے کہ جلد سے جلد اتر پردیش میں صوبائی شاخ قائم کریں جس کا صدر دفتر لکھنؤ ہو۔ کیونکہ اس نازک دور میں صوبائی شاخ کے نہ قائم ہونے سے تحریک اردو کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔

محرک:۔ عبدالرحمن صاحب وکیل

موید:۔ سید شعبان علی مختار

(۷) ضلع بستی کی اردو کانفرنس کا یہ اجلاس انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ اور اس کے جنرل سکریٹری قاضی عبدالغفار صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ دار المطالعہ انجمن ترقی اردو بستی کو پندرہ روپیہ ماہوار کی امداد انجمن کے صدر مرکز سے منظور ہوئی جس سے دار المطالعہ اب نہایت شاندار طریقے سے چل رہا ہے۔

محرک:۔ قاضی محمد عدیل عباسی

موید:۔ ملک حامد حسین

(۸) ضلع بستی کی اردو کانفرنس کا یہ اجلاس جناب معلی القاب صدر جمہوریہ ہند سے بہ ادب درخواست کرتا ہے کہ وہ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کے مطالبے کو منظور کرکے حسب آرٹیکل ۳۴۷ دستور ہند اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان تسلیم فرمائیں اور احکام جاری فرمادیں کہ جن اغراض کا تذکرہ انجمن مذکور کے میمورنڈم میں کیا گیا ہے ان کے لئے اردو کو بھی اتر پردیش میں سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے۔

محرک:۔ محمد سلیمان ادریسی۔ ایم۔ ایل۔ اے

موید:۔ عبدالرحمن وکیل

(۹) ضلع بستی کی یہ اردو کانفرنس اپنی سوچی اور سمجھی ہوئی رائے رکھتی ہے کہ ابتدائی درجوں میں .... گورنمنٹ کے حکم کے مطابق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بلا جانچ اور تحقیقات کے ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل بورڈ اور دوسرے امدادی پرائمری و لوور پرائمری اور سرکاری اسکولوں میں سے ہر اس مدرسے میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی عام آزادی دے دی جائے جہاں ۱۹۴۷ء تک اردو پڑھائی جاتی تھی اور کم سے کم دو سال تک اس کا تجربہ کیا جائے سر دست کچھ شرائط کی پابندی عائد کرنا گزشتہ بہت سے واقعات کی بنا پر حکومت کو اپنی منشا پوری کرنے میں بڑی دقتیں پیدا کرے گا۔

محرک:۔ قاضی محمد عدیل عباسی

موید:۔ عبدالرحمن وکیل

(۱۰) ضلع بستی کی اردو کانفرنس کا یہ اجلاس جناب حیات اللہ انصاری سکریٹری اردو علاقائی زبان کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ موصوف نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے ایک ان پڑھ سات سے دس دن کے اندر اردو لکھنا پڑھنا سیکھ سکتا ہے اور پبلک سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس قاعدے کے مطابق جا بجا شبینہ اور دیگر مدارس کھول کر اردو کی تعلیم کو عام کرنے کا رواج دے۔

محرک:۔ جناب تارا چند ناشاد۔ وائس پرنسپل

سکسیریا کالج بستی

موید:۔ قاضی محمد عدیل عباسی

امروہہ حسب اعلان عام انجمن ترقی اردو ہند شاخ امروہہ کا گیارھواں علمی و ادبی اجتماع سجاد منزل میں زیر اہتمام سید افسر علی صاحب منعقد ہوا جس میں سید محمد حسن صاحب صدر انجمن نے ایک ادبی تحقیقی مضمون "غبارے سے ہوائی جہاز تک" اور مقامی میونسپل بورڈ کے ممبر مولوی صدر الدین احمد صاحب صدیقی نے اپنا مقالہ "اردو اور غیر مسلم" پڑھا نیز مولوی ثاقب حسین صاحب ثاقب امروہوی نے اپنی ایک نئی غزل سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ حسب قاعدہ و رواج تنقید کی دعوت دی گئی اور بحث و تنقید میں نواب ذی شان صاحب صدیقی۔ حکیم نجیب علی صاحب شاہد۔ جناب تاباں نقوی اور بعض دوسرے حضرات نے حصہ لیا۔ مولوی صدر الدین احمد صاحب صدیقی طوالت اور مسودہ صاف نہ ہونے کے باعث اپنا مقالہ بہ تمام و کمال نہ پڑھ سکے پھر بھی جو حصے پڑھے جا سکے کافی پسند کئے گئے اور موصوف کو اس حقیقت کو واضح کرنے پر مبارکباد پیش کی گئی کہ "اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں"

اردو کی خبریں

مدراس مدراس کی جدید ادبی تاریخ میں یکم مئی ۱۹۵۴ء کے مشاعرے کی تشکیل اور کیف بار رات ہمیشہ یاد رکھی جائے گی چونکہ مشاعرے میں داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا پھر بھی ارباب ذوق سے ہال اتنا بھر گیا تھا کہ رضا کار بھی بہ مشکل ادھر سے ادھر آجا سکتے تھے اور ہال میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے کئی ہزار اہل ذوق واپس

پڑھے گئے۔

مشاعرہ ٹھیک ۹ بجکر ۵ منٹ پر نواب ممتاز صاحب مدراسی کی غزل سے شروع ہوا۔ غزل میر مشاعرہ افضل العلماء ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے پڑھ کر سنائی اور بتایا کہ مدراس میں جب شعر و ادب کا چرچا تھا تو یہاں کے شعراء دلی اور لکھنؤ کے باکمالوں کی صف میں نظر آتے تھے اور ان کے دوش بدوش چلتے رہتے تھے۔ افضل العلماء کی پوری تقریر مدراس کی مکمل ادبی تاریخ تھی۔

جنوبی ہند کے علاوہ جن شاعروں نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ اور مسرور کیا ان میں سیماب مرحوم کے بڑے صاحبزادے اعجاز صدیقی اڈیٹر شاعر، اور مولانا انور صابری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اہل مدراس اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہیں کہ باکمال شعراء کے ساتھ افضل العلماء کی دعوت خاص پر ہند کی اور اردو کے مشہور ادیب حضرت خیر بہوروی صاحب مددگار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ بھی رونق بزم تھے۔ اور محفل کی ترتیب منتظمین کی خوش سلیقگی اور شعر و ادب سے اُن کے والہانہ ذوق کو دیکھ کر فی البدیہہ فرمایا۔

ہے وہی طرز غزل اور ہے وہی محفل کا رنگ
لکھنؤ میں خیر تم بیٹھے ہو یا مدراس میں

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے خیر صاحب نے کہا کہ

افضل العلماء کے حافظے میں مدراس کے شعر و ادب کی تاریخ کا ایسا ذخیرہ محفوظ ہے جو منظر عام پر لایا جائے تو ہماری تاریخ کا ایک روشن پہلو سامنے آجائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اہل مدراس خوش نصیب ہیں کہ وہ حق کے ساتھ ہیں اور جو قوم حق کے ساتھ رہتی ہے اس کا شعر و ادب۔ اُس کی قومیت اور اس کی زبان کبھی فنا نہیں ہوتی۔ خیر صاحب کی تقریر میں شعر کا گداز اور نغمہ تھا اور ہر لفظ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آگ میں بجھی ہوئی سوئیاں ہیں۔ آپ نے کارکنان مشاعرہ کو مشورہ دیا کہ لطیف ارکاٹی جو ٹاریخ کے ہمعصر تھے ان کی زندگی کے حالات شائع کریں اور مدراس کی ادبی تاریخ خصوصیت کے ساتھ مرتب کریں۔ اس سلسلے میں مدراس نے ملک اور قوم کی جو خدمتیں انجام دی ہیں اور یہاں کے شعرا اور ادبا نے زبان و ادب کی جو خدمتیں کی ہیں انھیں بھی اجاگر کیا جائے۔ مدراس کے مصنفین۔ مدراس کے مطابع اور ان کی مطبوعات پر مقالے لکھے جائیں اور اس سے ملک کو روشناس کرایا جائے یہ خدمت زبان و ادب کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ آپ کی یہ تجویز بہت پسند کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مدراس کی ادبی تاریخ میں ایسے باکمالوں کے نام نظر آتے ہیں جن کی نظیر کہیں اور مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

مشاعروں کے وقتی ہنگامے اور لطف و سرور سے زبان و ادب کی جڑوں کو قوت نہیں ملتی بلکہ ان کی جڑوں کی قوت معلوم ہوتی ہے کیونکہ مشاعرے کرنے والے ایک دن سکرپ لطف ہنگامے کے بعد سال بھر تک پڑے سوتے رہتے ہیں اور شعرا مشاعروں سے اٹھنے کے بعد دوسرے مشاعرے تک۔ زبان کیونکر ختم ہے جیسے محفوظ رکھی جا سکتی ہے۔ اس سے قطعی بے خبر رہتے ہیں اور یہی ان کی زندگی ہے۔

اسے ہے جلال الدین جنھوں نے مشاعرے کی بزم سجائی تھی ایک اردو دوست باپ کے اردو دوست بیٹے ہیں جن کی جواں ہمتی لائق فخر ہے۔ انھوں نے اپنے لائق باپ کی یادگار میں ایک بہت بڑا بال اردو سیمنار ہال کے نام سے قائم کیا ہے۔ مشاعرہ اسی کے سالانہ جلسے کا ایک جزو تھا۔ جلال الدین صاحب کا یہ کارنامہ اہل ثروت نوجوانوں کے لئے ایک مثال ہے۔ اور ہماری ادبی تاریخ کا ایک روشن ترین صفحہ ہے۔ جس میں قوم کے نوجوانوں کی آبرو جھلکتی رہے گی لائبریری کے اراکین میں جو لوگ شریک ہیں انھیں افضل العلماء ڈاکٹر الحاج مولوی عبدالحق صاحب اور الحاج مولانا عبدالوہاب صاحب بخاری جیسی قابل عظمت ہستیوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ جن کے فیوض و برکات سے ریاست مدراس کا گوشہ گوشہ روشن ہے۔

نوجوانوں کی وہ مخلص جماعت جو اردو سیمنار میں شریک غالب ہے۔ نمود و نمائش سے ہٹ کر اردو کی خدمت کا صالح جذبہ رکھتی ہے اور بخاری صاحب کی ہدایات پر رقص کرتی رہتی ہے۔

مولانا ابوالجلال ندوی صاحب کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ اردو کا کیا حشر ہوگا " خیر صاحب نے فرمایا کہ " اردو کو جنوبی ہند کے نوجوان فنا ہونے سے بچا لیں گے "

مشاعرہ الحاج ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے شکریے کے بعد ۲ بجے ختم ہوا۔ جن شعرا نے اپنے لائق تحسین کلام سے حاضرین کو سرور و کیف بخشا۔ ناانصافی ہوگی اگر اُن کا تعارف نہ کرایا جائے۔ زیدی صاحب اردو لکچرار عثمانیہ کالج کرنول ضیائی صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو کرنول۔ بلال صاحب کڑپوی۔ رشید صاحب کڑپوی۔ ہلال صاحب کڑپوی لکچرار اسلامیہ کالج وانم باڑی۔ کاوش بدری صاحب امبوری۔ بزمی صاحب امبوری۔ کمال صاحب ویلوروی مدرس اردو مشن ہائی اسکول ویلور۔ حسرت سیہوروی صاحب ترچناپلی۔ شاکر نائطی مرادآبادی۔ ضیا فتح آبادی صاحب ایم۔ اے غلام حسین صاحب نیل ساقی لکچرار مدھوری کالج۔ مرزا عباس علی صاحب عباس اگرو حضرت جلال لکھنوی۔ محبوب بادشاہ صاحب گویا مدوری

نیاز صاحب تلمی شاعر۔ تمکین الہ آبادی صاحب رتبش صاحب عربی لکچرار۔ کمال الدین صاحب کمال سرحدی۔ حیدر صاحب الفت۔ کے سلطان محی الدین صاحب شمس تاجر مدراس عبدالستار منشی صاحب مہجور۔ مولانا عبدالباری صاحب حاذق دانش بازی۔ عبدالعزیز عادل۔ شرقی مدراسی۔ اصغر ویلوری مجبور مدراسی۔ ابرار حسنی۔ ناظر کرنولی۔

(نامہ نگار)

جمشید پور اردو ادبی کانفرنس جمشید پور میں متعدد قراردادیں منظور کی گئیں جن میں سے قابل ذکر حسب ذیل ہیں

(۱) اردو ادبی کانفرنس کا یہ جلسہ کو آپریٹو کالج کا دلی خیر مقدم کرتا ہے اور اردو داں طبقے کی طرف سے کارکنان کالج کو مبارک باد کا مستحق سمجھتے ہوئے انھیں یقین دلاتا ہے کہ اس شہر کی اردو جنتا کی ساری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ نیز ان حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ یہ درخواست بھی پیش کرتا ہے کہ کالج میں اردو کے جائز مطالبات اور حقوق کا خاص خیال رکھا جائے اور اس بات کی پوری کوشش کی جائے کہ آئندہ جولائی سے بی۔ اے کلاس میں بھی پرنسپل اردو ... کی پڑھائی کا انتظام ہو جائے۔

(۲) اردو ادبی کانفرنس کا یہ جلسہ انجمن ترقی اردو ہند کی سرپرستی میں چلائی گئی اردو علاقائی زبان کی تحریک کی حمایت کرتا ہے کہ اور حکومت جمہوریہ ہند سے درخواست کرتا ہے کہ وہ یوپی کے بیس لاکھ دستخط کنندگان اور دوسرے اردو چاہنے والوں کے اس جائز مطالبے کو منظور کر کے ان کے جذبات اور ان کی خواہشوں کا احترام کریں۔

(۳) اردو ادبی کانفرنس کا یہ جلسہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے مجوزہ اردو کنونشن کے اعلان کا خیر مقدم کرتا ہے اور دستخطی مہم کو جس خوبی ایک منزل تک پہنچانے میں تمام کارکنان و ہمدردان اردو کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہے۔

کانپور مسٹر ... یوپی اسمبلی کے اسپیکر مسٹر اے جی کھیر نے کل یہاں حلیم مسلم کالج میں "یوم اقبال" کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان اسی ملک کی پیداوار ہے اور یہ کسی ایک فرقے کی زبان نہیں ہے بلکہ ہندوؤں نے بھی اس کے پھولنے پھلنے میں مسلمانوں کے برابر حصہ لیا ہے۔

انھوں نے کہا کہ فارسی اور سنسکرت دونوں بہنیں ہیں اور جس طرح اردو زبان میں ہندوؤں کا حصہ ہے اسی طرح مسلمانوں نے بھی ہندی کی ترقی کے سلسلے میں بڑا کام کیا ہے۔

مسٹر اے جی کھیر نے کہا کہ ہندی تو اس ملک کی قومی زبان

جن بنا گئی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اردو کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔

تبصرے

ظہوری لائف اینڈ ورکس

ملنے کا پتہ:۔ خیابان پبلشرز۔ ۱۰ بیجری منڈی الہ آباد
قیمت:۔ ——— آٹھ روپے

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی میں استاد ہیں اور ہندستان کے ان معدودے چند پروفیسروں میں ہیں جنھیں فارسی زبان و ادب پر نہ صرف دستگاہ ہے بلکہ تحقیق و تنقید کے جدید اصولوں سے بھی واقفیت ہے۔ فارسی زبان و ادب سے متعلق آپ کے مقالات بلند پایہ علمی رسالوں میں شائع ہو کر اہل بصیرت سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ ظہوری پر انگریزی زبان میں آپ کی زیر نظر تصنیف در اصل اس مقالے کا پہلا حصہ ہے جو آپ نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے لکھا تھا۔

ظہوری فارسی زبان کے اہم اور مستند مصنفین میں شمار ہوتا ہے جس کی تصانیف نظم و نثر سالہا سال ہمارے درسیات میں شامل رہ چکی ہے اور جس کے کلام پر دسترس ایک زمانے میں فارسی دانی کا لازمی جزو تھی۔ ظہوری ان شعرا میں سے ہے جو ایران سے ہندستان آئے اور یہاں آنے کے بعد دکن کی نظام شاہی اور عادل شاہی ریاستوں میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ نذیر احمد صاحب کی اس تصنیف میں آٹھ ابواب ہیں جس میں ظہوری کے ابتدائی حالات تعلیم اور ایران میں ان کی زندگی۔ پھر ہندستان میں آمد اور احمد نگر بیجاپور وغیرہ میں قیام۔ اس کے معاصرین فیضی۔ نظیری۔ وحشی۔ عرفی۔ عماد خان اور ستجر وغیرہ کا ذکر ہے۔ پھر اس کی تصانیف کی تفصیل دی گئی ہے اور ان پر تحقیق و تبصرہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تصنیف فارسی ادب کے طلبا اور علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے مشعل راہ کا کام دے گی۔

جمہوریہ ہند کا دستور اساسی

قیمت:۔ دو روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ

ایجوکیشنل بک ہاؤس مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔

سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے اس سے اچھی کتاب اردو میں ابھی تک نہیں چھپی۔ اس کے مرتب اور مترجم محمد ہاشم

صاحب قدوائی ایم۔ اے، لکچرر شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہیں۔ جن کا ذوق بھی سیاسی ہے اور جن کی پرورش بھی سیاسی ماحول میں ہوئی ہے۔ کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں اس کے تین اڈیشن نکل چکے ہیں۔

اردو خواں طلبہ اور دوسرے اصحاب کے لئے جو سیاسیات سے دلچسپی رکھتے ہیں یہ کتاب لائق مطالعہ اور نہایت ہی مفید ہے۔

جواہر پارے

شائع کردہ، بزم ادب حلیم کالج کانپور

"جواہر پارے" ۳۴ صفحے کا ایک رسالہ ہے جس میں حلیم مسلم کالج کانپور کے اس عظیم الشان مشاعرے کی روئیداد پیش کی گئی ہے جو ۲۹ نومبر ۵۷ء کی شب میں منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرے میں یوں تو شعرا کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی تھی لیکن جگر مرادآبادی۔ فراق گورکھپوری۔ نوح ناروی۔ اقبال سہیل جعفر علی خاں اثر لکھنوی۔ روش صدیقی۔ انور صابری۔ حبیب احمد صدیقی، کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

"دید و شنید" کے عنوان سے اسلم ندوی صاحب نے مشاعرے کی روئیداد لکھی ہے جسے پڑھ کر اس نئے زمانے میں بھی مولانا محمد حسین آزاد مرحوم کی آب حیات کا لطف آتا ہے۔

روئیداد میں کانپور کی ادبی فضا پر بھی ایک مفید مضمون ہے۔ اس جواہر پارے میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ خط ہے جو اس مشاعرے سے متاثر ہو کر فراق گورکھپوری نے کارکنان مشاعرہ کو لکھا ہے "اس مشاعرے سے جب لوگ اٹھے تو ایسا معلوم ہوا کہ گنگا نہا کر یا کسی مندر یا مسجد میں رات بھر عبادت کر کے اٹھے ہیں۔"

انجمن کی دو نئی کتابیں

"باپو کے قدموں میں" صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کی ہندی کتاب کا ترجمہ جو درحقیقت موصوف کی ابتدائی سیاسی زندگی کے اس دور کا ایک روزنامچہ ہے جب پہلی بار وہ مہاتما گاندھی کے قریب آئے اور ان کی تعلیمات سے متاثر ہوئے۔ صدر جمہوریہ کی زندگی کا یہ پس منظر بہت دلچسپ اور بصیرت افروز ہے اور اس کتاب کا ہمارے ملک کی سیاسی تاریخ میں ایک خاص مقام ہے۔

تین حصوں میں ــــ قیمت فی حصہ ــــ پانچ روپے

سیاسیات کے اصول

(از:- پروفیسر ہارون خاں شیروانی)

جامعہ عثمانیہ کے ممتاز پروفیسر ہارون خاں شیروانی دستور اور سیاسی موضوعات کے ماہر مانے جاتے ہیں۔

"سیاسیات کے اصول" میں فاضل مولف نے علم السیاست کی مبادیات کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ وہ اس موضوع کے طلبا کے لئے بھی ایک بنیادی کتاب بن گئی۔ اس کا پہلا حصہ تیار ہوگیا ہے اور دوسرا اب چھاپا جارہا ہے۔

قیمت حصہ اول۔ تین روپے چار آنے

اردو ادب

معاصر الجمعیت روزانہ کی رائے

اردو ادب ایڈیٹر آل احمد سرور صفحات ۱۵۲، ۱۵۲ قیمت سالانہ دس روپے فی جلد ڈھائی روپے۔

ملنے کا پتہ ــــــــ انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ

یہ سہ ماہی رسالہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی طرف سے شائع ہو رہا ہے جس کے دو نمبر جلد ۳ نمبر ۳ و نمبر ۴ ہمیں تبصرہ کے لئے موصول ہوئے ہیں

نمبر ۳ میں مصادر اردو پر ایک بحث، اچھا مضمون ہے جس عسکری صاحب کے مضمون "ڈاکٹر بجنوری اور ڈاکٹر عبداللطیف" میں غالب مرحوم کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ نریش چندر صاحب کا مضمون "یورپ میں احیائی دور" موجودہ ماحول میں پڑھنے کے لائق ہے۔ نذیر احمد صاحب کا مضمون عرفی اور اس کا اثر غالب پر، شعرا کے لئے خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔ اسی طرح اردو ادب ۴ میں نصیرالدین ہاشمی صاحب کا مضمون "کتب خانہ آصفیہ کی قلمی کتابیں" اہل علم کے لئے قابل مطالعہ ہے۔ ایک اور مضمون "اقبال کا تصور عقل و عشق" بھی قابل دید ہے۔ آج کل آزادی اور امن، اخبارات اور لیڈروں کا موضوع بحث بنا ہوا ہے اس کے لئے آلڈوس ہکسلے کا مضمون "سائنس، آزادی اور امن" جس کا ترجمہ حبیب الرحمٰن صاحب نے کیا ہے قابل مطالعہ ہے۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی صاحب کا مضمون "تذکرہ نگاری اور محمد حسین آزاد کی آب حیات" اہل قلم حضرات کے لئے قابل دید ہے۔

افسوس ہے کہ اس قسم کے ٹھوس اور علمی و ادبی رسائل کی کوئی قدر نہیں، ضرورت ہے کہ اہل علم حضرات اردو ادب کی سرپرستی فرمائیں اور انجمن ترقی اردو کو بیش از بیش کام کرنے کا موقع دیں۔

انجمن کی چند تازہ مطبوعات

رخِ غزل

مجروح سلطان پوری کے کلام کا مجموعہ ہے۔ نئے شعرا میں مجروح کے تغزل کا ایک خاص انداز ہے اور بہت مقبول ہوا ہے۔ مجروح بہت کم لکھتے ہیں اور شاید اسی لئے بہت اچھا لکھتے ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہ پیشہ ور شاعر نہیں ہیں!

جس وقت سے یہ مجموعہ شائع ہوئی ہے بہت مقبول ہوئی ہے۔ ٹائپ اور طباعت اعلیٰ درجہ کی اور دیدہ زیب ہے۔

قیمت: ایک روپیہ آٹھ آنے

احوالِ غالب

غالب کے متعلق اردو کے لٹریچر میں ایک معیاری کتاب ہے۔ اسے تین جلدوں میں شائع کیا جا رہا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ غالب کے متعلق جہاں کہیں اور جتنا بھی مواد مل سکے اس کو یکجا محفوظ کر دیا جائے۔

مسلم یونیورسٹی کے ڈاکٹر مختار الدین آرزو ''غالبیات'' کے مسلمہ ماہرین میں ہیں۔ انھوں نے بڑی محنت اور تحقیق کے ساتھ ان جلدوں کو مرتب کیا ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان میں ''احوالِ غالب'' سے زیادہ مستند اور مفصل دوسری کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ غالب کے متعلق علمی اور تاریخی تحقیقات کرنے والے بہترین اہلِ قلم اور محققین نے اس کتاب کی ترتیب میں ادارے کی مدد فرمائی ہے۔ جتنی تاریخی تصاویر مل سکیں۔ وہ سب بھی اس جلد میں شامل ہیں۔

(قیمت نو روپے)

باپو کے قدموں میں

صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد کی ہندوستانی کتاب کا ترجمہ ہے جس کی ترتیب اور تیاری میں انجمن نے بہت روپیہ خرچ کیا ہے۔ مہاتما گاندھی کے ساتھ ڈاکٹر راجندر پرشاد کی ابتدائی زندگی کے حالات ہماری قومی تحریک اور مہاتما جی کی تعلیمات پر ایک دلچسپ پس منظر پیش کرتے ہیں۔ کتاب تین حصوں میں شائع کی گئی ہے۔

(قیمت فی حصہ پانچ روپے)

مرقعِ اودھ

مرتبہ مولوی ابرار حسین صاحب ایم۔ اے اودھ کی ایک مختصر مگر جامع تاریخ ہے۔ جو قدیم تاریخوں سے اخذ کی گئی ہے اور اردو کے تاریخی لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

قیمت تین روپے چار آنے

سیاسیات کے اصول

پروفیسر ہارون خاں شیروانی اس موضوع کے ایک مسلمہ ماہر ہیں اور ان کے قلم سے اس موضوع پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ نہ صرف طلبا کے لئے بلکہ اربابِ علم کے لئے بھی ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اردو لٹریچر میں سیاسیات کے متعلق علمی اور فنی معلومات بہت کم ہے۔ اس کمی کو پروفیسر صاحب کی کتاب نے پورا کر دیا ہے۔ یہ کتاب تین حصوں میں شائع کی جا رہی ہے۔ پہلا حصہ شائع ہو گیا ہے۔

قیمت تین روپے چار آنے

ترقی پسند ادب

یہ کتاب ترقی پسند شاعر سردار جعفری کی تصنیف ہے اور غالباً اس موضوع پر پہلی مستند کتاب ہے۔ اس میں ترقی پسند ادبی تحریک کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے کہ ترقی پسند تحریک کا رشتہ بین الاقوامی ہے جو قومی حدود اور جغرافیائی سرحدوں کو توڑ کر انسانیت کا ایک ایسا تصور پیش کرتا ہے۔ جو انصاف محبت اور آزادی کے جذبے میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور کسی قوم کی برتری اور تفوق کا تصور اس نئی دنیا میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ ان اوراق میں بہت سی غلط فہمیوں کو جو ترقی پسند ادب کی تحریک کے متعلق پیدا ہو گئی ہیں، دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب بہترین ٹائپ میں اعلیٰ قسم کے چکنے کاغذ پر چھاپی گئی ہے۔

قیمت مجلد چھ روپے

کچھ زر کی بابت

اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں ابو سالم صاحب ایم۔ اے (علیگ) نے یہ بتایا ہے کہ ''زر'' کیا ہے چند عنوانات سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ کیجئے۔

ہمارے سماج میں زر کی اہمیت۔ زر کی قسمیں۔ کیا بینک زر پیدا کر سکتے ہیں۔ مرکزی بینک۔ زر کی قیمت کا تصور۔ زر کی عام قیمت کا تعین کیونکر ہوتا ہے۔ زر کے متعلق پالیسی کیا ہو۔ بیرونی زر۔ گولڈ اسٹینڈرڈ۔ یہ اور اس قسم کے اور دوسرے سوال جو اس کتاب میں ہیں اس کا جواب آپ کو ملے گا اس کتاب کی اہمیت اور ضرورت پر ملک کے تمام بڑے بڑے ماہرینِ زر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ قیمت مجلد ۴ روپے غیر مجلد ۳ روپے